قرآن کریم اور نہی عن المنکر

یہ مقالہ مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے محاضراتِ قرآنی کے خصوصی اجلاس منعقدہ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں پیش فرمایا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم قرآن کریم نے بڑی تاکید کے ساتھ دیا ہے، اور اسے امت مسلمہ کا فرض منصبی قرار دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ قرآن کریم کا مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ تبلیغ و دعوت کا شعبہ (نہی عن المنکر) بڑی احتیاط اور حکمت کا متقاضی ہے۔

نہی عن المنکر کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے حوالے سے فرمایا،

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (المائدہ ۷۹)	بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمان اور سرکش تھے اور ان کے اچھے لوگ نافرمانوں کو برائی سے نہیں روکتے تھے۔ بے شک وہ بہت برا کام کرتے تھے۔

یعنی برے تو برے تھے ہی —— اچھے لوگوں کا بھی یہ حال تھا کہ وہ برے لوگوں کے ساتھ شیر و شکر ہوتے اور ان کے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ بن رہتے۔ اسی طرح سورہ ہود (۱۶) میں ہلاک شدہ قوموں کے بارے میں فرمایا گیا

کہ ان قوموں کے اصحاب خیر اور با اثر لوگ (اولو بقیہ) اگر اخلاقی شر و فساد سے لوگوں کو روکتے رہتے تو وہ قومیں بربادی کا شکار نہ ہوتیں،

ظاہر ہے کہ کسی ایک محلہ یا بستی میں پھیلنے والی گندگی سے اگر حفظانِ صحت کا محکمہ چشم پوشی کرے گا تو وہ ایک محلہ ساری بستی اور سارے شہر کی آب و ہوا کو خراب کر دے گا۔

قرآن کریم نے جہاں جہاں امر بالمعروف کی ہدایت کی وہاں وہاں نہی عن المنکر کا حکم بھی دیا ہے البتہ عام طور پر قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ نہی عن المنکر کو امر بالمعروف کے بعد دوسرے نمبر پہ بیان کرتا ہے۔

قرآن کریم اس ترتیب کی اتنی پابندی کرتا ہے کہ النحل (۹۰) میں خداوند عالم کا براہ راست خطاب اس کے بندوں تک پہنچتا ہے تو پہلے امر کو بیان کرتا ہے — اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ — اور پھر نہی کا ذکر کرتا ہے — وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ —

یعنی خدا تعالےٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور برائی اور بے حیائی سے روکتا ہے۔

یہاں تک کہ التوبہ (۶۷) میں منافقین کی بری صفتیں بیان کرتے ہوئے بھی قرآن کریم نے اس ترتیب کا التزام قائم رکھا ہے — فرمایا۔

اَلْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَاتُ	منافق طبقہ ایمان والوں کے
بَعْضُھُمْ مِّنْ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ	برعکس برائیوں کا حکم دیتا
بِالْمُنْکَرِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ	ہے اور بھلائیوں سے روکتا
الْمَعْرُوْفِ	ہے۔

یہاں بھی امر و نہی کے درمیان وہی ترتیب قائم ہے۔

قرآن کریم میں امر و نہی کے درمیان اس ترتیب کا التزام نہ تو اتفاقی ہے اور نہ اس میں صرف حسن بلاغت کا کوئی نکتہ پوشیدہ ہے بلکہ اس ترتیب میں ایک خاص ہدایت دینی مقصود ہے — اور وہ یہ کہ داعی اور مبلغ کو برائیوں پر روک ٹوک کرتے ہیں اور برائیوں پہ نکتہ چینی اور تنقید

کرنے میں سخت احتیاط برتنی چاہیئے۔

سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں پر آواز بلند کرنے میں ذرا سی بے احتیاطی، جوش وخروش، تعلّی اور تکبر کی معمولی سی جھلک بھی بڑی برائیوں کا سبب بن سکتی ہے۔

نماز، روزہ کی فضیلت، اکل حلال اور اتفاق واتحاد کی برکتیں ایک عام مسلمان بھی آسانی سے بے جھجک لوگوں کے سامنے پیش کرسکتا ہے لیکن شراب نوشی، رشوت خوری اور حق تلفی کی برائیوں پر گرفت کرنے اور ان منکرات پر نکتہ چینی کرنے میں اگر سنجیدگی، اخلاص اور ذاتی ہمدردی کا جذبہ نہ ہو تو اس برائی سے — بڑی برائی، شروفساد اور جنگ وجدل کی فضا جنم لیتی ہے۔

اور پھر اس وقت ترغیب وتشویق کی راہ سے معاشرہ میں عقائد صحیحہ اور عبادت واخلاق کے پھیلنے میں رکاوٹیں کھڑی ہوجاتی ہیں۔

دوسری اہم ہدایت اس اسلوب میں یہ پوشیدہ ہے کہ ہر مسلمان پہلے اپنی زندگی کو حق کی برہان اور اسلام کی حجت بنائے اور اپنی زندگی کو معروف ومحاسن کا پیکر بنا کر پیش کرے — اس کے بعد ہی برائیوں کے خلاف اسکی آواز میں اثر وخلوص پیدا ہوگا۔

یہ حقیقت ہے — کہ جو گروہ قبر پرستی، تعزیہ پرستی اور دوسری توہم پرستیوں کا شکار ہو، اس کے رہنما اہل کفر کی بت پرستی کے خلاف دھواں دھار تقریریں کریں اور شعلہ بار کتابیں لکھیں تو ان کے اس اصلاحی جہاد کا کیا اثر ہوسکتا ہے؟

یہ دعویدار ان اسلام اپنی پرستاریوں کو شرک وکفر کے دائرہ سے نکالنے کے لئے جس قسم کی "تاویلات" کرتے ہیں اسی قسم کی توجیہات اہل کفر کے دانشور بت پرستی اور مظاہر پرستی کے باوجود اپنے آپکو توحید پرست ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں،

ہندوستان کے ایک غیر مسلم مذہبی رہنما مسلمانوں پر طنز کرتے ہوتے کہتے

تھے کہ مسلمانو! تم پر تو ابھی صرف تیرہ سو سال گذرے ہیں اور تم میں قبر پرستی اور تعزیہ پرستی پیدا ہو گئی — ہماری تہذیب پہ تو تیرہ ہزار برس سے زیادہ گذر چکے — پھر اگر ہم میں بت پرستی آگئی تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اصنام پرستی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے -

لیکن عوام ایں فرقہ بسبب قصور فہم درمیان ظاہر و مظہر فرق نہ کردہ ہمہ را معبود ساختند و در ضلالت افتادند وہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازان و مجاوران قبور و جلالیان و مداریان، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال -	لیکن اس فرقہ کے عوام نے اپنی بے سمجھی کی وجہ سے ظاہر اور مظہر کے درمیان فرق نہ کیا اور سب کو معبود بنا لیا اور گمراہی میں جا پڑے - اور یہی حال مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کا ہے جیسے تعزیہ بنانے والے اور مزارات کے مجاور اور جلالی اور مداری فرقہ کے لوگ -

(فتاویٰ عزیزی مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۴)

اب قرآن کریم کی اس مشہور آیت پر غور کیجئے جس میں حضرت حق جل مجدہٗ نے منکرات و بدعات کے خلاف آواز اٹھانے کی بنیادی شرط بیان سے — فرمایا -

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝	یہ اہل کفر جن ہستیوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں انہیں برا نہ کہو ورنہ وہ تمہارے خدا ئے برحق کو برا کہیں گے ضد اور دشمنی میں، اسی طرح ہم نے ہر قوم کے اعمال کو اسکی نظروں

میں پسندیدہ بنا دیا ہے، پھر دو ٹوک فیصلہ کے لئے یہ سب اپنے
پروردگار کی طرف لوٹیں گے اور وہ انکو ان کے کاموں کے انجام
سے خبردار کرے گا۔ (الانعام ر ۱۰۸)

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور آپ کا کلام ہمیشہ سنجیدہ اور پروقار ہوتا تھا، گالی اور دشنام کبھی آپ کی زبان پر جاری نہیں ہوا۔ پھر سرداران قریش نے حضور کی طرف دشنام طرازی کی نسبت کیوں کی؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بعض جوشیلے اور جذباتی مسلمانوں کی زبان سے مشرکین کے فرضی معبودوں کے بارے میں تحقیر آمیز کلام نکل جاتا ہوگا، قریش مکہ نے آپ کے بعض رفقاء کے کلام کو آپ کی طرف منسوب کرکے یہ دھمکی دی اور قرآن کریم نے اس کی ممانعت فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ — لَا تَسُبُّوا — کا خطاب خاص حضور کی طرف نہیں ہے بلکہ خطاب عام ہے، حالانکہ اس سے اوپر والی آیت میں — اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ — میں خطاب خاص طور پر آپ کو کیا گیا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب اعلام الموقعین میں نہی عن المنکر کے آداب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

(۱) اگر برائی کی جگہ نیکی آجائے یا برائی کی شدت کم ہوجائے تو ان دونوں صورتوں میں نہی عن المنکر کی اجازت ہے۔

(۲) اور اگر ایک برائی کی جگہ کسی دوسری برائی کے پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں داعی کو سوچ سمجھ کر اعلان حق کرنے یا خاموشی اختیار کرنے میں سے کسی ایک مناسب صورت پر عمل کرنا چاہیئے۔

(۳) اور اگر نہی عن المنکر کرنے سے ایک چھوٹی برائی کی جگہ دوسری بڑی برائی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں نہی عن المنکر ممنوع ہوگی اور سکوت اختیار کرنے کا حکم ہوگا۔

علامہ نے انعام (۱۰۸) پر لکھا ہے۔

وھذا کالتنبیہ بل کالتصریح علی المنع من الجائز لئلا یکون سبباً فی فعل مالا یجوز	یہ آیت اس امر کی وضاحت کر رہی ہے کہ جو جائز باتیں ناجائز باتوں کا سبب اور پیش خیمہ بنتی ہیں ان سے رُک جانا چاہیئے ۔

نہی عن المنکر میں احتیاط کرنے کی ایک مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ملتی ہے ، — فرعون نے آپ سے سوال کیا ۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ، لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَى (طٰهٰ ۵۲)	فرعون نے سوال کیا ، اے موسیٰؑ اور ہارون تمہارا ربّ کون ہے ، انہوں نے فرمایا — ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئی کو اس کے مناسب صورت عطا فرمائی اور پھر زندہ رہنے کی سمجھ بخشی ، پھر اس نے سوال کیا ، پچھلی قوموں ، عاد وثمود وغیرہ کا کیا حال ہوا ؟ —

انہوں نے جواب دیا ، ان قوموں کا علم میرے رب کے پاس ہے ، میرا ربّ نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے ۔

حضرت موسیٰ نے رب العالمین کی جو تعریف کی اس سے بہتر اور جامع تعریف اور تعارف ممکن نہ تھا ، اس پر فرعون کیا نکتہ چینی کرتا — لیکن اس نے حضرت موسیٰ کو الجھانے کے لئے ایک دوسرا سوال کیا — حضرت موسیٰ فرعون کا مطلب سمجھ گئے اس لئے سیدھا جواب دینے کے بجائے نہایت حکیمانہ پیرایہ میں جواب دیا — سیدھا جواب یہ تھا کہ وہ قومیں نافرمان تھیں ، ان کا ٹھکانا جہنم ہے — لیکن اس جواب سے فرعون عوام الناس کو حضرت موسیٰ کے خلاف بھڑکا سکتا تھا کہ دیکھو ! یہ شخص ہمیں کو نہیں بلکہ ہمارے اسلاف اور

بڑوں کو بھی گمراہ قرار دے رہا ہے،

حضرت موسیٰ نے اس جواب سے گریز کرکے یہ حکیمانہ جواب دیا کہ ان قوموں کا علم میرے خدا ہی کے پاس ہے!

شرک کا ابطال کرتے ہوئے سب سے زیادہ جوش وخروش سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دکھایا اور بُت شکنی کا مظاہرہ کیا — لیکن وہ عمل نمرود کے ساتھ مناظرہ اور محاجّہ کے موقع پر ہوا -

لیکن توحید الٰہی کا یہ پرجوش داعی جب اپنے ظالم مشرک باپ سے جدا ہونے لگا تو اس وقت حضرت ابراہیم ایک پرجوش داعی کی جگہ ایک نہایت نرم اخلاق اور باادب بیٹے نظر آنے لگے -

باپ آزر نے گھر سے نکالا تھا، ابراہیم بے قصور تھے، کچھ تو انہیں غصّہ آیا ہوتا، کچھ تو جلال میں آتے، — لیکن گھر سے بے گھر ہوتے ہوئے باپ سے فرماتے ہیں -

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ، سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (مریم)

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ سلام — سلام تحیۃ — نہیں، بلکہ سلام مفارقت ہے اس لئے مترجمین کو عجمی زبانوں (فارسی اور اردو) میں سلام مفارقت کا صحیح مفہوم ادا کرتے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے -

اردو تراجم میں دہلی کے مشہور اردو ادیب ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے اس مفہوم کو ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، لکھتے ہیں -

"ابراہیم نے کہا، اچھا تو میرا سلام ہے، — اس پر بھی میں آپ کیلئے اپنے ربّ سے دُعا کروں گا -"

یہ حضرت ابراہیم جیسے جلیل القدر رسول کے اخلاق کریمانہ کا اصلی رنگ تھا اور بت شکنی کا مظاہرہ نمرود اور اس کی گمراہ قوم کے ظلم وستم اور ہٹ دھرمی کا جواب تھا اور جس حقیقت کو وہ کور باطن معقول دلائل سے نہ سمجھ سکے تھے، اس عبرتناک منظر کے ذریعہ انہیں کھلی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ

کرانا مقصود تھا — اور وہ بات ہوتی —— اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت، وحدتِ ربوبیت اقرار کی صورت میں ان کی زبان پر جاری ہو گئی ——

قرآن کریم میں ایک مثالی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کی ہے ——

قریش مکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام توحید سنکر اس کے مقابلہ میں باپ دادا کی پیروی کا نعرہ لگاتے تھے اور ان کا مقصد اپنے باپ دادا کی پیروی کا نعرہ لگانے سے یہ تھا کہ رسول پاکؐ باپ دادا کا نام سُن کر یا ان کے ادب سے خاموش ہو جائیں گے یا آپ ان کی گمراہی کا اعلان کریں گے اور دوسری صورت میں عوام کے اندر حضور کے خلاف غم و غصہ پھیل جائے گا — اور واقعتہً حضور کے لئے یہ بڑا نازک معاملہ تھا، — قرآن کریم نے بیان کیا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا	جب ان لوگوں سے کہا جاتا
اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ	ہے کہ خدا کے نازل کئے ہوئے
مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا	قانون کی پیروی کرو تو وہ
اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ	کہتے ہیں - نہیں — ہم تو اس
لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا	راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے
يَهْتَدُوْنَ ۝	اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے
(البقرہ ۱۷۰)	— تو کیا ان کے باپ دادا

کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں تب بھی —— وہ ایسا ہی کریں گے -

المائدہ میں کہا:

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا	اگر ان کے باپ دادا کچھ نہ
يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا	جانتے ہوں اور ہدایت پر
يَهْتَدُوْنَ (۱۰۴)	نہ ہوں تو بھی — !

قرآن کریم نے اس نازک موقعہ پر کتنی احتیاط کی ہے، — ولو کان

آباءھم جاھلون اور ضالون — کہنے کے بجائے منفی پیرایہ میں کلام کو نرم کر کے پیش کیا "

اگر یہ کہا جاتا — اگر ان کے باپ دادا جاہل اور احمق اور گمراہ ہوں کیا تب بھی وہ انہی کی پیروی کریں گے — ؟ — ان جملوں سے قریش مکہ کو حضورؐ کے خلاف فتنہ پھیلانے کا موقعہ مل جاتا اور وہ یہ کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باپ دادا کو بُرا کہہ رہے ہیں "

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں آیت الانعام کے تحت لکھا ہے کہ قرآن کریم کی جن آیات میں بتوں کی مذمت اور تحقیر کی گئی ہے اور وہ مناظرانہ خطاب میں واقع ہیں اگر کوئی شخص مشرکین کو چڑانے کے لئے ان آیات کی تلاوت کرے ———— تو وہ تلاوت بھی سَب ممنوع (غیر جائز مذمت کرنے) میں داخل ہوگی جیسے مکروہ مواقع اور ممنوع مقامات (پاخانہ اور غسل خانہ) میں تلاوت کرنا مکروہ قرار دیا جاتا ہے۔

(معارف ج ۳ ص۴۲۰)

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ بتوں کو بُرا کہنا فی نفسہ امر مباح ہے لیکن امر مباح جب ایک امر حرام یعنی خدا تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کا سبب بن جائے تو یہ امر مباح بھی غیر جائز ہو جائے گا - مولانا تھانوی نے باطل معبودوں کے بارے میں یہ بات کہی ہے — رہا دوسری قوموں اور فرقوں کے مذہبی پیشواؤں اور ان کی اپنی قابل احترام ہستیوں کا معاملہ — تو ظاہر ہے کہ وہ بدرجۂ اولی اس زمرہ میں شامل ہوں گی اور ان کے ساتھ سب و شتم کرنا ناجائز و ممنوع ہوگا - دل آزار پیرایہ کلام ناجائز ہوگا —

چنانچہ ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے ماں باپ کو گالیاں دینے والے کو خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دینے والا —— قرار دیا ہے کیونکہ اس نے دوسروں کو گالیاں دے کر اپنے بزرگوں کیلئے گالیوں کا دروازہ کھولا -

سُلطان جائر کے خلاف اعلان

نہی عن المنکر کی ایک قسم وہ ہے جو مسلم اقتدار کی کمزوریوں کے مقابلے میں افضل الجہاد کا درجہ رکھتی ہے — حدیث پاک میں آتا ہے -

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سُلطان جائر

شریعت نے اس زبانی اور قلمی جہاد کے بارے میں بھی یہ تاکید کی ہے کہ اس نعرۂ حق میں ایسا جارحانہ انداز پیدا نہ ہونے دیا جائے جس سے عوام الناس کے اندر تشدّد کا ذہن جنم لیتا ہے -

حضرت عبادہ ابن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اطاعت امیر پر بیعت لیتے ہوئے فرمایا -

وان لاننازع الامر	ہم امیر و امام کے ساتھ جھگڑا
اھلہٗ اِلّا ان ترو ا	نہ کریں گے مگر اس وقت
کفرًا بو احًا عندکم	جب اس سے کھلا کفر سرزد
من اللہ فیہ	ہو اور اس کفر کے کفر ہونے

کی دلیل خدا تعالےٰ کے دین کی روشنی میں موجود ہو ،

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

السمع والطاعۃ علی	مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت
المرأ المسلم فیما احبّ	اور اس کا حکم سننا واجب
وکرہ مالم یؤمر	ہے وہ اس ہدایت کو ذاتی طور
بمعصیۃ	پر پسند کرے یا ناپسند کرے'
(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ	جب تک وہ خدا تعالےٰ کی
ص ۳۱۸)	نافرمانی کا حکم نہ دے -

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاحکام باب السمع والاطاعۃ میں وہ تمام احادیث جمع کردی ہیں جن میں امام و حاکم اسلام کے خلاف خروج و بغاوت کی ممانعت کردی گئی ہے -

ان احادیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا انورشاہ صاحب کشمیری لکھتے ہیں — لو امر بالکفر البواح یجب الخروج علیہ وان عصیٰ او آذی الناس یجب علیہ الصبر (فیض الباری ج ۴ ص۴۹۹)
یعنی کھلے کفر کا حکم دینے پر حاکم کے خلاف بغاوت واجب ہے لیکن شرعی نافرمانی اور لوگوں کو تکلیف دینے پر بے صبری اختیار کرنا جائز نہیں — یعنی اس صورت میں صبر و برداشت کے ساتھ اصلاح حال کی پرامن جدوجہد اختیار کرنی چاہیئے۔

حدود اللہ کا اجرار

نہی عن المنکر کی ایک قسم سنگین اخلاقی جرائم پر حدود اللہ کا اجرا ہے، — ناواقف لوگ اسلامی حدود و تعزیرات کو دور وحشت کی یادگار قرار دے کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے

(۱) قتل کی سزا میں قصاص اس وقت نافذ کیا جب معاشرہ میں انسانی جان کی حرمت کا تصور عام ہوگیا، انسانیت نے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرلیا، رنگ و نسل اور چھوت چھات کے انسانیت سوز خیالات مٹ گئے اور ضمیر و رائے کی آزادی کا جمہوری اصول قائم ہوگیا۔

(۲) چور — کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا قانون اس وقت نافذ کیا جب معاشرہ میں چوری کرنے اور دوسرے کے مال اور املاک پر ہاتھ ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، مالداروں پر ناداروں کی کفالت قانون اور اخلاق دونوں راستوں سے واجب کر دی گئی، حکومت کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی کہ کوئی غریب رات کو بھوکا نہ سوئے اور کوئی معذور سربازار بھیک مانگتا نہ پھرے۔

(۳) سنگ ساری اور کوڑے مارنے کی سزا زنا اور بدکاری کے جرم میں، — اس وقت نافذ کی گئی جب معاشرہ کو فحش گوئی اور فحش کاری سے مکمل طور پر پاک کر دیا گیا اور جنسی خواہشات — پوری کرنے کے لئے

جائز رشتہ کا قیام آسان ہو گیا۔
اور مال دولت اور ظاہری حسن وجمال کے مقابلے میں نیک سیرت عورت کو زندگی کی بہترین متاع تسلیم کر لیا گیا۔
پھر حدود شرعی جاری کرنے کے لئے اسلام نے شہادت قانون کو معقول پابندیوں کے ذریعہ اتنا سخت کر دیا کہ جب ایک شیطان صفت انسان بد اخلاق، بے شرمی اور ظلم و ستم میں حیوانیت کے مقام پر صاف صاف کھڑا نظر آتا ہے اس وقت اسلام اس پر عبرتناک سزائیں نافذ کرتا ہے، — اس سے پہلے نہیں

اجتہادی مسائل

نہی عن المنکر کی ایک قسم وہ ہے جسے علماء کرام کے ایک طبقہ نے غلط فہمی کی وجہ سے نہی عن المنکر سمجھ رکھا ہے حالانکہ اجتہادی اختلاف سے تعلق رکھنے والے مسائل کو اس منکر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا جس پر نکیر کرنے، نکتہ چینی کرنے اور اس پر روک ٹوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
مثلاً نماز کا ترک کرنا شرعی منکر ہے اور اس پر سرزنش کرنے کی ہدایت ہے اور نماز میں سورۂ فاتحہ کا ترک کرنا شرعی منکر نہیں ہے، بعض علماء اسے صحیح نہیں سمجھتے اور بعض علماء کے نزدیک یہ ضروری ہے — اور یہ صحیح اور غلط اجتہادی دلیل کی بناء پر ہے۔
علماء حق نے تصریح کی ہے کہ کسی اجتہادی صواب کو یقینی طور پر حق وصواب نہیں کہا جا سکتا اور نہ کسی اجتہادی خطاء کو یقینی طور پر خطا کہا جا سکتا ہے بلکہ صواب کے ساتھ خطا کے احتمال کا اور خطاء کے ساتھ صواب کے احتمال کا عقیدہ رکھا جاتا ہے۔
اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ اجتہادی اختلافات میں کوئی پہلو منکرات شرعی میں داخل نہیں، اس لئے اجتہادی غلطیوں پر شرعی منکرات کی طرح نکتہ چینی کرنا اور ان کو صواب سمجھ کر ان پر عمل کرنے والوں کو مطعون کرنا درست نہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ امر غیر منکر پر نکیر کرنا خود امر منکر ہے،

پھر اجتہادی مسائل ــ میں مناظرہ بازی کرنا اور حریب عقائد کے میدان گرم کرنا کس دلیل سے جائز سمجھ لیا گیا ہے ــ ؟

نہی عن المنکر کے آداب اور مصالح کو نظر انداز کرنے کے نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن قیم نے ایک جگہ لکھا ہے ــ

ومن تأمل ماجرى على	جو شخص تاریخ اسلام میں رونما
الاسلام من الفتن الكبار	ہونے والے بڑے اور چھوٹے
والصغار رآها من	فتنوں پر غور کرے گا اس پر
اضاعة هٰذا الاصل و	ظاہر ہوگا کہ وہ نہی عن المنکر
عدم الصبر على منكر	کے اسی اصول کو ترک کرنے
فطلب ازالتهٗ فتولد	اور بے صبری اختیار کرنے کی
منه ما اكبر منه ــ	وجہ سے رونما ہوتے ہیں ــ

لوگوں نے ان برائیوں کو دور کرنا چاہا اور نتیجہ میں یہ ہوا کہ اس سے بڑی برائیاں رونما ہوگئیں ــ (اعلام ص۲۸)

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس مضمون سے یہ تاثر لینا درست نہ ہوگا کہ اسلام میں برائیوں کو گوارا کرنے کی گنجائش ہے اور اسلام برائیوں کو دور کرنے کے معاملہ میں کسی قسم کی نرمی اور کمزوری کا روادار ہے ــ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ــ

اذا امرتكم بشئ فأتوا	جب میں تمہیں کسی اچھی بات
منه ما استطعتم واذا	کا حکم دوں تو جہاں تک ہو
نهيتكم فاجتنبوه	سکے تم اس کی تعمیل کرو اور
(الاشباه والنظائر ص۳۶)	جب کسی بری بات سے روکوں
	تو اس سے دور رہو ــ

فقہاء اسلام نے اس حدیث پاک سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ نقصان کو دور کرنا (دفع مضرت) فائدہ حاصل کرنے (جلب منفعت) سے مقدم ہے کیونکہ اس ارشاد گرامی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معروف کے حکم میں

استطاعت کی قید لگائی اور بُرائی سے بچنے کی ہدایت کو بلا قید او راطلاق کے ساتھ بیان کر دیا۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے۔

لترك ذرة مما نهى الله عنه افضل من عبادة الثقلين -	چھوٹی بُرائی چھوڑ دینا ثقلین (جن وانس) کی عبادت سے افضل ہے۔

(سیرت امام اعظم ص۲۷۳)

اس بنا پر دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا مشن چلانے والی کسی جماعت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ نہی عن المنکر کے شعبہ کو بالکل ترک کر دے اور اپنے طرزِ عمل سے مسلمانوں کے اندر یہ ذہن پیدا کر دے کہ جنت میں جانے کے لئے صرف روزہ نماز کی رسمی ادائیگی کافی ہے اور مسلمانوں کے ذہن میں اس تصور کو بار بار اجاگر نہ کیا جائے کہ روزہ نماز تو بلاشبہ جنت کی ضمانت ہیں لیکن روزہ نماز کے قبول ہونے کی ضمانت یہ ہے کہ مسلمان جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے، بے حیائی اور حق تلفی کے گناہوں سے دور رہے — ان منکرات کی ملاوٹ کے ساتھ روزہ نماز جیسی اہم عبادات کو جنت کی ضمانت سمجھنا — بڑی بھول ہے۔

مذہبی قائدین سے گذارش

عالم اسلام میں اسلامی احیاء کی تحریک اسلام سے محبت کرنے والے ہر انسان کے لئے زندگی کی وہ آخری بشارت ہے جس کے لئے وہ زندہ رہنے کی تمنا کرتا ہے — لیکن اس کے ساتھ یہ تحریک اسلام کی مذہبی قیادت کے لئے بیسویں صدی کا ایک زبردست چیلنج ہے۔

قرآن بہترین نظام حیات ہے لیکن اگر اسے بہترین قیادت نہ ملتی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ راشدین جیسے شاہد و قائد نصیب نہ ہوتے تو دنیا کی یہ بہترین کتاب صرف الماری کی زینت بن کر رہ جاتی، آج بھی یہی صورت حال ہے۔

قرآن کریم بہترین کتاب ہے، کامیاب نظام زندگی ہے لسانی فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہے، روحانی اخلاقی سماجی اور اجتماعی کامیابیوں کی یقینی ضمانت ہے ــــ لیکن سوال یہ ہے کہ قرون اولیٰ کے بعد اسلامی قیادت پر جو زوال آیا کیا اسلامی قیادت اس زوال سے نکل گئی اور بڑی بڑی ہوش ربا ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی کیا اسکی آنکھیں کھل گئیں ؟

ٹھیک ہے کہ ہر دور میں کچھ اللہ کے بندے اٹھے اور انہوں نے اپنی بہترین قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کر کے اس طبقہ کی گری ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کی مخلصانہ کوشش کی لیکن وہ اللہ کے بندے اپنی انفرادی تاریخ مرتب بنا گئے ــــ مذہبی قیادت اور علماءِ کرام کا کم از کم ایک معتدبہ گروہ بیسویں صدی کے تقاضوں کے مطابق اسلام کو ہر سطح پر سربلند کرنے کے قابل پیدا نہ ہوسکا ۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی جدوجہد ہندوستان کے اندر بھی اہل علم کے سامنے آتی رہتی ہے اور یہاں آکر میں نے قریب سے ڈاکٹر صاحب کی منظم جدوجہد کا مطالعہ کیا ۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی ــ اپنے تاثر کی بنا پر میں ڈاکٹر صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ قرآن کریم کے کمالات کو اپنی تقریر و تحریر کا موضوع بنانے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے اولین قائد و شاہد کی عملی زندگی کے نمونوں کو بھی اس ملت کے سامنے بار بار دوہرائیں اور قرآن کریم کی صداقت کے عملی گواہوں رسول پاک ؐ اور آپ کے رفقاء، کے اسوۂ حسنہ کے روشن پہلوؤں ــــ ایثار، اتحاد، اخوت، محبت اور خشیت ــــ کے بے مثال واقعات کو بار بار، تکرار کے ساتھ ملت کے کانوں تک پہنچائیں ۔

اس لئے بھی کہ احیاءِ اسلامی کی جدوجہد کے قابل فخر موجودہ کارناموں کے ساتھ بلاوجہ اور بے مقصد ان شاہدینِ قرآن کے بشری ابتلاء کی داستانوں کو ابھار کر قرآن کریم کی عظمت اور صداقت کے اثر کو نادانستہ طور پر کم کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے اسکی تلافی ہوسکے ــ اور اس کا کفارہ ادا کیا جاسکے، اسی کے ساتھ ایک عام مسلمان کی حیثیت سے اپنے تمام مذہبی قائدین

(باقی صہ۹ پر)